وسوسہ اور خیال

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ

ہر وسوسہ خیال ہے لیکن ہر خیال وسوسہ نہیں ہوتا۔ وسوسہ وہ خیال ہوتا ہے جو مقصد میں حائل ہو، لیکن ہر خیال مقصد میں حائل نہیں ہوتا۔ خیالات سے تو آدمی کا بچنا ناممکن ہے، اچھے یا برے خیالات تو ہر وقت انسان کو آتے رہتے ہیں خیالات کا آنا مضر بھی نہیں، نہ نماز میں، نہ مراقبے میں، بل کہ خیالات کا لانا مضر ہے۔ آدمی خود خیالات نہ لائے، نہ سوچے، ہاں، اگر خود بہ خود کوئی خیال آجائے تو اس پر جمے نہیں بل کہ اس خیال کو راستہ دے دے۔ خیالات کا آنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مہربانی ہے۔ اگر خیالات نہ آئیں تو بھی انسان کا کام نہیں چل سکتا۔

مثلاً ایک آدمی گھر میں اپنی اہلیہ سے کہہ کر گرم مسالہ لانے کے لئے بازار گیا، اب وہ بازار میں چلا جا رہا ہے، مختلف قسم کے خیالات اس کے ذہن میں آرہے ہیں، لیکن گرم مصالحہ لانے کا خیال تھوڑی تھوڑی دیر بعد خود بہ خود اس کے ذہن میں آتا رہتا ہے۔ اگر وہ شخص بازار میں جا کر کسی خاص خیال میں محو ہو جائے اور گرم مسالہ لانے کا خیال اسے بھول جائے تو نہ معلوم وہ کتنی دیر بعد گھر پہنچے اور گرم مصالحہ لے کر آئے بھی یا نہیں۔ یہ تو خیالات نہ آنے کا نقصان ہوا اور اگر خیالات آ کر جم جائیں تو بھی انسان کا کام چلنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز کی نیت کی، اب اسے کاروبار کے کسی خیال نے آ کر تنگ کرنا شروع کر دیا۔ خیالات کا اتنا غلبہ ہوا کہ اسے نماز کی رکعتیں تک یاد نہ رہیں۔ بتایئے کہ ایسی نماز کا کیا فائدہ ہوا کہ جس نماز میں اتنا بھی حضور حاصل نہیں کہ نماز کی رکعتیں بھی یاد نہ رہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے: "لاصلوٰۃ الا بحضور القلب......" جس نماز میں حضور قلب حاصل نہ وہ نماز ہی نہیں۔

حضور قلب کے مختلف درجات ہیں، ایک تو یہ کہ نماز شروع کی اور پوری نماز کے دوران اسے کوئی خیال نہ آیا۔ یہ تو کمال درجے کا حضور قلب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت آسانی فرمادی ہے کہ اگر صرف تحریمہ کہنے کی دیر تک بھی اسے نماز کا استحضار رہا تو اسے نفس حضور قلب نصیب ہو گیا اور ایسا شخص مندرجہ بالا وعید سے بچ گیا۔ اسی طرح اگر دوران قیام اسے

اتنا خیال رہا کہ وہ قیام میں ہے اور پہلے الحمد اور پھر سورۃ پڑھنی ہے تو اسے اتنی سی بات سے نفس حضور قلب حاصل ہو گیا، اگر چہ کمال درجے حاصل نہ ہوا۔ اسی طرح رکوع، سجود اور تشہد میں اگر ان ارکان کا خیال رہا تو ان ارکان میں بھی اسے حضور قلب حاصل رہا۔

اب رہا کمال درجے کا حصول تو اس کے لئے شریعت نے مختلف ذرائع بتائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے حضور قلب میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً نماز میں حضور قلب کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع کی ترغیب دی گئی ہے:

(۱)......ادائیگی فرائض کے لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مسجدیں تعمیر کریں جن میں دنیا کی باتیں نہ ہوں اور وہاں نماز پڑھنے والے کو یکسوئی حاصل ہو۔

(۲)......نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے سے پہلے انسان اپنی طبعی ضروریات پوری کر لے، مثلاً: اگر پیشاب پاخانے کا تقاضا ہو تو پہلے وہ پورا کرے پھر نماز میں مشغول ہو، اگر چہ اس سے جماعت ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یا اسی طرح اگر بھوک کا غلبہ ہو اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہئے، پھر نماز پڑھے۔

(۳)......نماز کے لئے جلدی مسجد میں جائے اور پہلی صف میں امام کے قریب کھڑا ہو، تا کہ امام کی آواز آسانی سے سن سکے۔ پھر اگر معانی جانتا ہو تو امام کی قرأت پر غور کرنا آسان ہوگا۔

(۴)......پھر نماز کے بعد سنت و نوافل کے پڑھنے کے لئے باقاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس جگہ (مسجد یا گھر وغیرہ) اسے زیادہ یکسوئی حاصل ہو تو وہاں نوافل ادا کرنا افضل ہے، ان ذرائع سے حضور قلب میں کمال پیدا ہو سکتا ہے، بعینہٖ ذکر کی برکت سے بھی یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اثر نماز کے دوران بھی رہتا ہے، اس لئے ذکر پر بھی مداومت کرنی چاہئے، باقی خیالات کا آنا ایک فطری چیز ہے، عام طور پر آدمی اس سے بچ نہیں سکتا، یہاں تک کہ فنائیت کاملہ نصیب نہ ہو۔ ہاں جب فنائیت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر بعض اوقات دوسرے خیالات تو کیا، آدمی کو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی، جیسے حضرت علیؓ کا نماز کی حالت میں نیزے کا بھالا نکلوانا، ایک بزرگ کا مراقبے کی حالت میں اپنے ایک پاؤں کا آپریشن کرانا، ڈاکٹروں نے کلوروفارم تجویز کی، لیکن وہ بزرگ جس مراقبے کی انہیں مشق تھی، اس میں مشغول ہو گئے، مراقبے میں تھوڑی دیر گزرنے کے بعد واقف لوگوں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اب آپ ان کا آپریشن کر لیں، انہیں پتہ نہیں چلے گا، چنانچہ ڈاکٹر نے آپریشن کیا اور ان بزرگ کو پتہ بھی نہ چلا۔

ہم لوگوں کو چاہئے کہ اگر خیال جمنے لگے تو اسے دوسری طرف لگا دیں، مثلاً دوران نماز اگر خیال بھٹک گیا تو اس کو ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ خیال کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائیں اور یہ سوچیں کہ میرے آگے جنت ہے، کعبہ ہے، خدا کی ذات ہے، دائیں طرف جنت، بائیں طرف دوزخ ہے، پس اس طرح سے خیالات کو منتشر ہونے سے بچائے۔

دل کی مثال:......بزرگوں نے کہا کہ دل کی مثال ایک جرنیلی سڑک یعنی شاہراہ کی مانند ہے کہ اس پر سائیکل، رکشہ،

ٹیکسی، کار وغیرہ ہر قسم کی سواری اور بھنگی سے لے کر بڑے بڑے وزراء تک اس شاہراہ پر سے گزرتے ہیں، اس سے کسی کو روکا نہیں جا سکتا، اسی طرح دل کو بھی اللہ تعالیٰ نے خیالات کی گزرگاہ بنایا ہے، اس میں ہر قسم کے خیال آئیں گے، اچھے بھی، برے بھی، جیسے آپ کسی کو جرنیلی سڑک پر چلنے سے روک نہیں سکتے، اسی طرح آپ خیالات کو قلب میں آنے سے روک نہیں سکتے، مثلاً اگر سرکار شاہی سڑک کو بند کردے تو دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں، اسی طرح اگر قلب میں خیال ہی پیدا نہ ہوں تو انسان زندگی بسر نہیں کر سکتا، جرنیلی سڑک کے چوراہے پر ایک ٹریفک کا سپاہی کھڑا ہوتا ہے جس کا کام ٹریفک کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے، وہ ایک طرف کی ٹریفک کو روک کر دوسری طرف کی ٹریفک کو گزار دیتا ہے اور اس طرح ٹریفک کو جام نہیں ہونے دیتا، اگر وہ ڈیوٹی کو صحیح انجام نہ دے اور ٹریفک جام ہو جائے تو اس کا افسر اس کا عہدہ والا فیتہ (نشان، تمغہ) چھین لیتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ جاؤ، دوبارہ ٹریننگ لو، مشق کرو، پھر ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کرنا، اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کا دل خیالات کی گزرگاہ ہے، ہمارا کام دل کی شاہراہ پر ٹریفک کے سپاہی کی طرح ہے کہ خیالات کو گزارتے رہیں، جمنے نہ دیں، اگر خیالات دل میں آ کر رک جائیں اور ہم ان کو نہ ہٹائیں تو اس سے خیالات کی ٹریفک جام ہو کر فتور پیدا ہو جائے گا، اگر ایسا شخص مجاز ہو تو پیر صاحب بھی اس سے مجاز ہونے کا تمغہ واپس لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی اور ذکر کی مشق کرو، پھر اس ذمہ داری کو سنبھالنا، معلوم ہوا کہ خیالات آتے رہیں، گزرتے رہیں، جمیں نہیں۔

دراصل خیالات ہی کے ذریعے دنیا کی رونق ہے اور اللہ تعالیٰ کو دنیا کی رونق باقی رکھنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بھی قابل اعتراض نہیں کہ مسلمان کروڑ پتی بنے، بل کہ جائز اور حلال طریقے سے ہو تو ضرور کمائیں اور کمائی کے بعد اس کا حق ادا کریں، بل کہ خدا تعالیٰ تو اس بات پر زیادہ خوش ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس نعمتیں زیادہ ہوں، لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کفار کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کے لئے تو صرف یہی دنیا ہے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، جب وہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو ان کو اس کا سارا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے جو انہیں دنیاوی نعمتوں کی شکل میں مل جاتا ہے، مسلمانوں سے جو دنیاوی جاہ وحشمت جاتی رہی ہے تو وہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہے، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا نہ ہو، بل کہ زیادہ مال دار تو دین کے زیادہ کام کر سکتا ہے، مال دار تو صدقہ، زکوٰۃ، حج، خیرات، مہمان نوازی، ہدیہ، وقف اور جہاد وغیرہ کے لئے چندے کے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے، لیکن غریب بے چارہ کیا کر سکتا ہے، وہ تو صرف دو رکعت نماز ہی ادا کر سکتا ہے کہ اس پر کوئی پیسہ نہیں لگتا اور یہ دو رکعت بھی پریشانی کی حالت میں پڑھتا ہے، یعنی تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو دل میں خیال آتا ہے کہ صبح میرے بچوں کو روٹی کہاں سے میسر ہوگی۔

دنیا جائز طریقے سے کمانی چاہئے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت غالب رہے، جیسے غزل کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ”میرے محبوب کے متعلق طعنہ دینے والی عورتوں کے طعنے تو میرے دل کے گرد رہتے ہیں، لیکن میرے محبوب کی محبت میرے قلب کی گہرائی میں ہے“۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو اور دنیا دل کے باہر

ہو، کیوں کہ انسان کو دنیا سے مفر نہیں، جیسے انسان کھانا کھائے اور چاہے کہ ریح خارج نہ ہو، تو عجیب بات ہے، اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کا خیال نہ آئے، یہ ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا تو دنیا کے خیالات کو روک دیتا لیکن ایسا نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت پر فرشتوں کو پیدا کیا ہے کہ انہیں ادھر ادھر کے خیالات نہیں آسکتے، جو فرشتہ رکوع میں ہے، وہ رکوع میں ہی رہے گا، جو سجدے میں ہے، وہ سجدے میں ہی رہے گا، انسان کو تو کسی اور مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　　ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

بعض دفعہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خیال بھی ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے خیالات بھی ہوتے ہیں، یہ کیفیت زیادہ خطرناک نہیں ہے، احسن یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ہم ریڈیو پر ایک اسٹیشن لگانا چاہتے ہیں، لیکن اس اسٹیشن پر دوسرے اسٹیشن کی ٹوں ٹوں کی آواز آتی رہتی ہے اور وہ دور نہیں ہوتی، تو ہم اس اسٹیشن سے جو کچھ تقریر یا خبریں سننا چاہتے ہیں، سن لیتے ہیں، بند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو چل رہا ہے، اگر یہ آواز بلند نہیں ہوتی، نہ ہو، ہم کیا ریڈیو بند کر دیں، پہلے ریڈیو پر اسٹیشن بہت کم ہوتے تھے، اس لئے ایک اسٹیشن پر دوسرے کی آواز نہیں آتی تھی، اب ریڈیو پر اسٹیشن بہت زیادہ ہو گئے ہیں، ایک اسٹیشن کی آواز دوسرے میں آجاتی ہے، اسی طرح پہلے لوگوں کی زندگیاں بہت سادہ تھیں، دنیا میں کم الجھتے تھے، لہٰذا یکسوئی آسانی سے ہو جاتی تھی، آج کل دنیا کی مشغولیت بہت زیادہ ہے، ہم دنیا کے دھندوں میں زیادہ الجھ گئے ہیں، اس لئے دنیا کے خیالات ہمیں زیادہ تنگ کرتے ہیں، پس ہم صحابہؓ کے ایمان کا تھوڑا حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتے، اب تو شیطان سے جنگ کا زمانہ ہے، اصول یہ ہے کہ جنگ کے زمانے میں تھوڑا کرنے والے کو بھی زیادہ اجر ملتا ہے، متقدمین کو جو کیفیات بہت بہت محنت کے بعد حاصل ہوتی تھیں، آج کل لوگوں کو تھوڑی سی محنت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، پہلے زمانے میں صوفیوں، سالکین کو تیس تیس سال بعد خلافت ملتی تھی، آج کل دو سال میں مل جاتی ہے، آج کل جنگ کا زمانہ ہے، وہ زمانہ امن کا تھا، جو سپاہی جنگ کے زمانے میں تھوڑی سی محنت کرتا ہے، اس کی زیادہ قدر کی جاتی ہے، بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں، لیکن امن کے زمانے میں پندرہ بیس سال بھی خدمت کرے تو کوئی خاص انعام نہیں ملتا۔

خیالات کا آنا ناگزیر ہے، ہاں البتہ وہ خیالات جو مقصد میں حائل ہوں، وہ وساوس ہیں، پس وہ خیالات جو نماز میں آتے ہیں یا ذکر کرتے وقت آتے ہیں اور توجہ کو منتشر کرتے ہیں، وہ وساوس ہوتے ہیں، نماز میں خیالات کے آنے سے ثواب میں تو کمی نہیں آتی، البتہ کمال میں فرق آجاتا ہے، مراقبہ کرنے بیٹھیں اور خیالات آنے شروع ہو جائیں، چاہے دینی ہوں یا دنیاوی اور یکسوئی پیدا نہ ہونے دیں تو وہ وساوس میں شامل ہیں، البتہ استغراق کی کیفیت میں وسوسہ محمود ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے کیفیات و واردات اور معرفت حق حاصل ہوتی ہے، یہ خیال ہی ہے جو آدمی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر پہنچاتا ہے، سالک اپنے تمام مقامات کو خیال ہی کی مدد سے قطع کرتا ہے اور عبور کرتا ہے، پس خیالات ہی آدمی کی ترقی کا موجب و زینہ بنتے ہیں۔

وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور نفس کی طرف سے بھی، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں کے وساوس میں لطیف فرق معلوم ہوتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ جو وسوسہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے، وہ خفی ہوتا ہے اور جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ نفس کے وساوس میں نفس کا حظ بھی شامل ہوتا ہے، نفس کا مطلوب چار چیزیں ہیں:

(۱)......راحت (۲)......زینت (۳)......لذت (۴)......شہرت

ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، جیسے نفس زینت کی خاطر راحت ولذت کو قربان کر دیتا ہے، اسی طرح انسان شہرت کی خاطر بقیہ تینوں یعنی راحت، زینت اور لذت کو قربان کر دیتا ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شہرت نفس کا مطلوب حقیقی ہے، شہرت کو حاصل کرنے کے لئے نفس کو جو روپ دھارنا پڑتا ہے، یہ اس پر مائل ہو جاتا ہے، مثلاً اگر دنیادار بننے میں شہرت ہو تو دنیا دار بننے کی تمنا کرتا ہے اور اگر دینی لبادہ اوڑھنے میں شہرت حاصل ہوتی ہو تو بزرگوں کی وضع قطع اختیار کر لے گا۔ یہ نفس کا بہت خطرناک داؤ ہے کہ دین کو دنیا بنا دیتا ہے، نفس کے داؤ اور وسوسے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......نماز کے وقت میں نیند کا آنا۔ (۲)......زیادہ کھانے کو طبیعت چاہنا۔ (۳)......زیادہ سونا۔ (۴)......غصہ اور تکبر کرنا۔ (۵)......کسی کو اپنے دل کا غصہ نکالنے کے لئے مارنا۔

اور شیطان کے وسوسے مندرجہ ذیل ہیں:......مثلاً چوری کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان وساوس میں قرار واقعی فرق وامتیاز کرنا بہت بزرگ آدمی کا کام ہے، مبتدی بے چارے کو کیا پتہ، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نفس کے وساوس قوی ہوتے ہیں اور شیطان کے وساوس کمزور ہوتے ہیں، کقولہ: ﴿ان کید الشیطان کان ضعیفا﴾ لیکن جب شیطان کے وسوسے کو نفس کی موافقت حاصل ہوتی ہے تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، پس انسان گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

صرف اس وسوسے پر گرفت ہوتی ہے جو منتہی کو غافل کر دے، البتہ جو وسوسہ آئے اور گزر جائے اس پر گرفت نہیں ہوتی، بل کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب منتہی سے وسوسے کی بنا پر لغزش ہوتی ہے اور اسے علم ہو جاتا ہے تو وہ عاجزی واستغفار کرتا ہے جس کی بنا پر اس کی لغزش معاف کر دی جاتی ہے، بل کہ اس کی عاجزی پر اس کی ترقی کر دی جاتی ہے اور یہ وسوسہ ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بزرگ کی تہجد کی نماز فوت ہوگئی تو وہ خوب روئے، ان کا رونا ایسا مقبول ہوا کہ تہجد سے بھی زیادہ ان کو ثواب ملا، اس کے بعد پھر ایک دن سوتے رہ گئے تو شیطان نے جلدی سے آکر جگا دیا وہ حیران ہوئے کہ شیطان نے عبادت کے لئے کیسے جگا دیا۔ پوچھا تو کہنے لگا کہ میں نے جگا کر تمہارا فائدہ نہیں، نقصان کیا ہے، اگر تم سوتے رہتے تو تہجد قضا ہو جاتی، پھر گریہ کرتے، جس کا ثواب تہجد سے زیادہ ملتا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ تمہیں جگا دوں تاکہ تہجد پڑھ کر کم ثواب ملے، تو بزرگوں کا معاملہ عجیب ہے کہ اول تو لغزش ہوتی ہی نہیں اور ہوتی ہے تو اتنا افسوس کرتے ہیں کہ وہ لغزش ترقی کا موجب بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم......☆